حنفی اصول الحدیث

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی *

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم
بسم الله الرحمن الرحیم "مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْ لَ فَقَدْ اَطَا عَ اللّٰهَ"(۱) صَدَقَ اللّٰهُ العَظِیْم

اس کائنات ارضی و سماوی میں جب سے انسان کا وجود پایا جاتا ہے، علم کا تصور بھی اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ کہ آدم کی اپنے ہاتھوں تخلیق کے فوراً بعد اللہ نے اسے کائنات اور اس میں پائی جانے والی چیزوں کے ناموں اور خصوصیات کا علم دیا اور پھر فرشتوں پر اس کی برتری اسی علم کی بنیاد واساس پر ہوئی۔

گویا انسان کی فطرت اور اس کی جبلت میں یہ بات لکھ دی گئی کہ ایک جانب یہ کائنات میں غور فکر کرے، نت نئے نتائج و مشاہدات سے گذرے اور اس نتیجے میں ظاہر ہونے والے علوم سائنسی اور عقلی علوم کہلائیں گے اور دوسری طرف وہ اپنے معبود برحق کو پہچاننے کی کوشش وسعی کرے اور اس کے لیے علوم نبوت اور علوم الوحی کا سہارا لے جن کے نتیجہ میں علوم نقلیہ یا علوم دینیہ ظہور پر آئیں علوم عقلیہ یا نقلیہ پر اپنے اندر انواع واقسام کا بیش بہا سمندر رکھتے ہیں اور ان سمندروں میں ہیرے جواہرات اور یواقیت پائے جاتے ہیں اور انسانوں میں مختلف علمی صلاحیت اور قابلیت کے لوگ ہوتے ہیں کچھ وہ ہوتے ہیں جو اس سمندر کے کناروں پر کھڑے ہو کر اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اس کی موجوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ کچھ ذرا اور ہمت کرتے ہیں اور کم گہرے پانی میں چلے جاتے ہیں کچھ وہ ہوتے ہیں جو سطح آب پر تیرتے رہتے ہیں اور کچھ باہمت لوگ وہ ہوتے ہیں جو اس سمندر میں باقاعدہ غوطہ زنی کرتے ہیں اور سمندر کی تہہ میں چھپے ہوئے موتی اور جواہرات ڈھونڈ کر لاتے ہیں۔ بعض اوقات ایک ایک موتی کی تلاش میں عمریں صرف ہو جاتی ہیں۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، ادارۂ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

اصول حدیث۔آغاز وارتقاء

علوم کے اس بحر بے کنار میں ،فنون کی اس لامتناہی دنیامیں اور معلومات کے اس تاحدنگاہ عالم میں حدیث کو جوعظمت ،اہمیت اورقدرومنزلت حاصل ہے وہ ایک جانب بےمثل و بےعدیل اور دوسری طرف عقول انسانی کوحیران کردینے والی ہے۔

کبھی محدثین نبی کریمﷺ کے اقوال وافعال اورآپ کی تقریرات کوجمع کرنے میں منہمک ومشغول ہیں اس کے لیے سفر کی صعوبتیں برداشت کررہے ہیں کبھی ان کی تدوین وترتیب کا کام ہورہا ہےاورانہیں موضوعاتی ترتیب سے مرتب کیا جارہا ہے۔اورکبھی محدثین قبول وردروایت کے لیے معیارات اوراصول و قواعد منضبط کررہے ہیں۔

کہیں مفسرین آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر کے لیےاحادیث کی تلاش میں ہیں کہیں عارفین وصوفیاءتربیت نفس کے حوالہ سےاحادیث کی جستجو میں ہیں اورکہیں فقہاءعبادات ومعاشرت کےمسائل میں رہنمائی کے لیے ذخیرہ حدیث میں غوطہ زنی کررہے ہیں۔

متون حدیث کی جمع وترتیب کا سلسلہ تو نبی کریمﷺ کے زمانہ میں ہی شروع ہوگیاتھالیکن حدیث کے قبول ورد کے پیمانے اس وقت بنائے گئے جب حضرت عمرفاروق کی شہادت کے بعد بقول سعید بن زیدامت میں ایساشگاف پڑ گیاجوقیامت تک پر نہ ہوگا۔(۲)

افرادامت رفض وخروج کےفتنوں سےمتاثر ہوکر دوانتہاؤں پر پہنچ گئے ہیں اوریہی وضع حدیث کا نقطہ آغاز تھااس فتنہ کا بانی مہلب بن ابی صفرہ تھا۔چنانچہ اس فتنہ کےسراٹھاتے ہی علماءامت ،رجال الحدیث اور شیوخ اس جانب متوجہ ہوئے کہ صحیح اورغیرصحیح میں خط امتیاز کھینچاجائے احوال روایت ورواۃ پرشدیدتحقیق کی جائے اوراس تحقیق کے بعدروایت کےمقام کوواضح اورمتعین کیاجائے چنانچہ اس ضمن میں تحقیق کےتین نتائج سامنے آئے:

۱۔ قبول روایت: وہ روایات جوجرح وتعدیل کےمعیارات میں پوری اتریں انہیں قبول کرلیاگیا۔

۲۔ تردیدروایت: وہ روایات جن مین شدیدسقم پایاگیاان کوبالکلیہ ردکردیاگیا۔

۳۔ توقف: بعض ایسی روایات تھیں جو جرح وتعدیل کے اعلیٰ ترین یا ادنیٰ معیارات میں سے کسی معیار کی نہیں تھیں بلکہ ان کے درمیان تھیں، ان کے متعلق توقف سے کام لیا گیا۔

احادیث کی جمع وتدوین کا سلسلہ تو نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے شروع ہو چکا تھا، اور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد یہ علم آئندہ نسلوں کو منتقل کرنے کے انتظامات بھی کئے جا رہے تھے، لیکن جرح وتعدیل کے معیارات اور صحیح وسقیم کے امتیازات دوسری صدی ہجری میں قائم ہونا شروع ہوئے اور اس سلسلہ میں شعبہ، امام مالک، معمر، ہشام، دستوائی ہر اول دستہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی قیادت میں ابن المبارک، ہیثم، ابن عیینہ، پھر یحییٰ بن سعید اور ان کے تلامذہ علی بن المدینی اور یحییٰ بن معین نے علوم حدیث کے سلسلہ میں حظ وافر ادا کیا۔ تیسری صدی ہجری کے علماء میں امام احمد بن حنبلؒ اور آپ کے طبقہ کے دیگر محدثین کے علاوہ آپ کے تلامذہ امام بخاری، امام مسلم، ابو زرعہ رازی نے علوم حدیث کو ترقی دی جسے ان حضرات کے تلامذہ ارشد ترمذی اور نسائی نے آگے بڑھایا۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں قائم کردہ ان بنیادوں پر ایک عظیم الشان عمارت تیسری ہجری کے اواخر اور اوائل چوتھی صدی ہجری میں قائم کی گئی۔

متون احادیث کو تحریری شکل میں جمع کرنے اور سند ومتن حدیث پر مشتمل کتب کی تالیف کے سلسلہ کا آغاز زمانہ ابتدائی میں ہو چکا تھا لیکن اصول وکلیات حدیث پر تصنیف وتالیف کا سلسلہ چوتھی صدی ہجری میں قائم ہوا۔ ابن حجر کے مطابق اصول ومصطلحات حدیث پر سب سے پہلی تصنیف قاضی ابو محمد الحسن بن عبدالرحمن بن خلاد رامہرمزی م ۳۶۰ھ/۹۷۰ء کی ہے جو المحدث الفاصل بین الراوی والواعی کے نام سے معروف ہے۔ اصول ومصطلحات حدیث پر تصنیف وتالیف کی یہ اولین کوشش تھی لیکن بقول ابن حجر اپنے موضوع پر حاوی نہ تھی۔ قاضی ابو محمد کے بعد اس سلسلے میں امام حاکم ابو عبد محمد بن عبداللہ نیشا پوری م ۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء نے قلم اٹھایا اور معرفت علوم الحدیث کے نام سے علوم واصول حدیث پر ایک کتاب تالیف کی ۔ یہ کتاب اگرچہ اپنے موضوع کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے لیکن ترتیب وتدوین سے خالی ہے۔ حاکم کی اس کتاب کے بعد خطیب بغدادی م ۴۶۳ھ/۱۰۷۰ء نے علوم ومصطلحات حدیث کے میدان میں قدم رکھا۔ بغدادی نے قوانین روایت پر ایک جامع تصنیف کتاب الکفایۃ فی علم الراویۃ تصنیف کی۔ اصول حدیث پر خطیب بغدادی کی کتب کا یہ عالم ہے کہ بقول ابوبکر ابن نقطہ بغدادی کے بعد کے تمام محدثین اس کی کتب سے

اہل وعیال کی حیثیت رکھتے ہیں۔(۳)

اصول وکلیات حدیث پر تصنیف و تالیف کے سلسلہ کا اس طرح آغاز ہوا جو آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

علوم الحدیث سے استفادہ کی شکلیں

علوم الحدیث پر تحقیقات و تصنیفات کا سلسلہ جاری تھا اس سے استفادہ کیا جا رہا تھا۔ محدثین ان معیارات سے حدیث کی صحت وضعف کے متعلق فیصلے کر رہے تھے اور ان فیصلوں کے مطابق اپنی کتب مرتب کر رہے تھے، دوسری جانب فقہاء اور اصولیین ان سے مسائل کا استنباط کر رہے تھے، مسائل کے اس استنباط میں جہاں حدیث کے الفاظ اور متن پر غور کیا جاتا وہاں حدیث کی سند کو بھی پرکھا جاتا اور یہ جانچا جاتا کہ باعتبار سند حدیث کس مقام پر فائز ہے او اس سے مستنبط ہونے والے مسئلہ کا کیا درجہ اور مرتبہ ہے، چنانچہ فقہاء نے ایک جانب محدثین کے مرتب کردہ اصول حدیث سے استفادہ کیا تو دوسری طرف استنباط مسائل کے حوالہ سے مزید اصول وقواعد وضع کئے۔

اس وقت ہمارا موضوع بحث فقہاء کے یہی اصول حدیث عموماً اور امام ابوحنیفہ کے اصول حدیث خصوصاً ہیں۔ فقہاء کے اصول حدیث پر اور پھر حنفی اصول الحدیث پر بحث ہوگی۔

امام ابوحنیفہ کے محدثین اساتذہ

امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جبکہ صحابہ کرامؓ ایک ایک کر کے اس دار فانی سے کوچ کر رہے تھے یہ وہ نازک دور تھا جبکہ علوم نبویہ کے ورثاء ان علوم کو دوسری نسل میں منتقل کرنے کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔

ایک جانب علوم نبوت دوسری نسل میں منتقل ہو رہے تھے اور دوسری جانب ان کی ترتیب وتدوین پر توجہ دی جارہی تھی علوم نبوت میں حدیث کو جو عظیم اور بنیادی مقام حاصل تھا اس کے پیش نظر احادیث کے ذخیروں کو جمع کیا جارہا تھا اور ردوقبول روایت کے اصول مرتب کئے جارہے تھے۔ اصول الحدیث کی خدمت سرانجام دینے والوں کا ہراول دستہ ابھی اپنے کام میں منہمک تھا کہ امامؒ نے اس دنیا میں آنکھ کھولی۔ امام ابوحنیفہ عہد

طفولیت کے بعد جب استفادہ اور طلب علمی کی عمر کو پہنچے تو کوفہ میں بہت سے محدثین اور فقہاء بقید حیات تھے اور ان کی علمی مجلسوں اور درس و تدریس کی وجہ سے کوفہ کو علمی حیثیت حاصل تھی۔ طالبان و تشنگان علم دور دور سے رخت سفر باندھ کر کوفہ آتے، محدثین اور فقہاء سے استفادہ کرتے اور وطن مالوف لوٹ جاتے۔

ابوحنیفہ کا تعلق ایک متمول گھرانہ سے تھا آپ کے باپ دادا کپڑے کی تجارت سے وابستہ تھے جو اس زمانہ کی بڑی منافع بخش تجارتوں میں شمار ہوتی تھی۔ امام کو بھی تجارت ورثہ میں ملی اور آپ نے یہ شغل اختیار کیا لیکن آپ علماء و محدثین کی مجالس میں حاضر ہوتے آپ کی اصابت فکر کو دیکھتے ہوئے امام شعبیؒ نے آپ کو تحصیل علم پر آمادہ کیا اور آپ نے اپنی تجارتی مصروفیات کو کم کیا او حصول علم کی جانب متوجہ ہوئے اور بقول مکی چاشت سے ظہر تک کا وقت بازار میں گزارتے اور اس سے پہلے اور بعد کا وقت حصول علم میں جبکہ ہفتہ کا روز خانگی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مخصوص تھا۔ (۴)

پیشہ تجارت نے آپ کو مختلف اذھان و فکر اور متنوع صلاحیتوں کے لوگوں سے ملنے جلنے اور ان کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات معلوم کرنے کا موقع دیا اور اس کے ذریعہ آپ نے عام معاشرہ کی روایات اور تہذیب و ثقافت کے بارے میں دسترس حاصل کی جو بعد میں آپ کی فنی اور فقہی زندگی میں آپ کے کام آئی، یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفیہ میں معاشرتی عوامل و روایات اور تمدن و تہذیب کی اقدار کا قرآن و سنت کی حدود میں جس قدر لحاظ ہے دوسرے فقہاء کے ہاں یہ بات کم کم ملتی ہے۔ اس پس منظر میں آپ نے حسب ذیل محدثین سے استفادہ کیا۔ شرعی اور دینی علوم میں استفادہ کا آغاز آپ نے علم حدیث میں استفادہ ہی سے کیا۔ ابن عبداللہ کے مطابق آپ نے ۹۶ھ میں پہلا حج کیا اور اسی حج میں صحابی رسول ﷺ کی زبانی یہ حدیث سنی:

''من تفقه فی دین الله کفاه الله همه و رزقه من حیث لا یحتسب''

جس نے اللہ کے دین میں فقاہت پیدا کر لی اللہ اس کے رنج و غم میں کافی ہے اور اس کو ایسے مقام سے رزق دیگا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو سن کر علوم دینیہ کے حصول کی تڑپ پیدا ہوئی اور آپ نے علم حدیث سے دینی علوم میں استفادہ کا سلسلہ شروع کیا۔ (۵)

سب سے پہلے آپ نے امام شعبی سے حدیث میں استفادہ کیا امام ذہبی کے متعلق لکھتے ہیں

"وهو اکبر شیخ لابی حنیفة" (٦)

کوفہ شعبی کو علم حدیث میں جو مقام حاصل تھا اس کے متعلق امام ذہبی نے امام عبداللہ بن عون البصری (م:١٥١ھ) اور عاصم احول کے اقوام نقل کئے ہیں۔(٧)

سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں:

حضور انور کے صحابہ کے بعد لوگوں میں محدث کی حیثیت سے صرف دو ہیں، شعبی اور ثوری۔(٨)

علم حدیث میں جس شخصیت سے آپ نے سب سے زیادہ استفادہ کیا وہ حماد بن سلیمان (م:١٢٠ھ) کی شخصیت ہے۔ تاریخ بغداد کے مطابق آپ نے اٹھارہ سال تک حماد سے استفادہ کیا اور حماد کی وفات کے بعد آپ کی مسندِ درس سنبھالی۔ (٩) شیخ حماد سے اس استفادہ کے دوران آپ نے سفر حج بھی کئے اور اسی دوران حجاز کے علماء و مشائخ سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی اور ان کے اصحاب و تلامذہ کی فقہ پر دسترس حاصل کی۔ امام محمدؒ کی کتاب الآ ثار کی بیشتر روایات عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراہیم کی سند سے نقل کی گئی ہیں۔

حافظ ذہبی کے مطابق آپ نے حافظ شیبان اور حکم بن عتیبہ سے حدیث میں کسبِ فیض کیا۔(١٠)

حدیث و فقہ میں ان جلیل القدر اساتذہ سے کسبِ فیض کرنے سے ابو حنیفہؒ کی شخصیت میں محدثانہ اور فقیہانہ رنگ نظر آنے لگا۔ ایک جانب آپ کو علم کلام پر عبور حاصل تھا، آپ تجارت کے پیشہ سے وابستہ تھے اور دوسری طرف علم حدیث اور فقہ میں استفادہ نے آپ کی شخصیت میں دقتِ نظر پیدا کر دی، آپ ہر معاملہ کو، ہر مسئلہ کو بہت گہرائی تک دیکھتے، امکانی حد تک اس میں غور و فکر کرتے، قرآن و سنت سے اس کے متعلق دلائل و شواہد تلاش کرتے اور پھر کوئی فیصلہ فرماتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا استنباط، آپ کا نتیجہ فکر اور حاصلِ تحقیق جہاں ایک جانب قرآن و سنت سے قریب ہوتا تھا، قرین عقل و قیاس بھی ہوتا تھا۔ جہاں ایک جانب قرآن و سنت کے مطابق ہوتا تھا وہاں معاشرہ، تہذیب اور تمدن سے زیادہ فاصلہ پر نہ ہوتا تھا۔

استنباطِ مسائل قرانی آیت سے ہو یا فرمان نبوی ﷺ سے آپ کا ایک خاص انداز و اسلوب تھا اور اسی انداز و اسلوب کے نتیجہ میں قرآن کریم سے استنباطِ مسائل کے بھی اصول و قواعد سامنے آتے ہیں اور حدیث سے اخذِ مسائل کے بھی بنیادی اور اساسی اصول نظر آتے ہیں۔

حنفی اصولِ حدیث سے بحث سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ اس بات پر بحث کی جائے کہ امام ابوحنیفہ کی نظر میں اخذ و استنباطِ مسائل میں حدیث کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔

حنفی اصول اجتہاد میں حدیث کا مقام و مرتبہ

امام ابوحنیفہ کے اصول اجتہاد پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ حدیث یا سنتِ رسول ﷺ ان کے اصول اجتہاد میں، اخذ مسائل اور استنباط میں دوسری اصل ہے، اس سلسلہ میں خود امام ابوحنیفہؒ یہ وضاحت کرتے ہیں،

جب کوئی مسئلہ نہ کتاب اللہ میں ملے، نہ سنت رسول ﷺ میں تو میں اقوال صحابہ پر غور کرتا ہوں اور اقوالِ صحابہ کے سامنے کسی کے قول کو قابل اعتنا نہیں سمجھتا۔ (۱۱)

ابن عبدالبر کی نقل کردہ امام ابوحنیفہ کی اس تصریح سے یہ بات سمجھ آئی کہ استنباط مسائل میں سب سے پہلی اساس و بنیاد کتاب اللہ ہے اور کتاب اللہ کے بعد دوسری بنیاد اساس سنتِ رسول ﷺ ہے البتہ ابوحنیفہؒ نے قرآن و سنت کے درمیان یہ فرق و امتیاز ملحوظ رکھا ہے کہ چونکہ ثبوت و استدلال کے اعتبار سے سنت کا درجہ قرآن کریم سے مؤخر ہے اس لیے استدلال و استنباطِ احکام میں دونوں کے درمیان موجود اس مسلمہ فرق کو ملحوظ رکھا جائے گا چنانچہ اوامر میں قرآن کا حکم فرض سنت کا واجب اور نواہی میں قرآن کی ممنوع چیز حرام اور سنت سے منع شدہ چیز مکروہ تحریمی۔

اپنے اصول اجتہاد میں امام ابوجعفر منصور کو ایک خط میں تحریر کرتے ہیں

''میں سب سے پہلے کتاب اللہ سے رجوع کرتا ہوں، وہاں مسئلہ کا حکم نہیں ملتا تو سنت رسول میں تلاش کرتا ہوں، وہاں بھی ناکامی ہوتی ہے تو خلفاء راشدین کے فیصلے اور ان کی آراء دیکھتا ہوں''۔ (۱۲)

درجہ بالا دونوں تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک سنت یا حدیث کا درجہ قرآن کریم کے فوراً بعد تھا۔ قران اور سنت کے درمیان وہ کسی چیز کو مصدر قانون سمجھتے تھے نہ کسی چیز سے اخذ و استنبا مسائل کرتے تھے بلکہ بقول ابوزہرہ امام ابوحنیفہ حدیث متواتر اور مشہور کو تو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ اس کے ذریعہ کتاب اللہ کے حکم میں تخصیص اضافہ کرتے تھے۔ چنانچہ کتاب اللہ میں زانی کے لئے سو کوڑے کی سزا کا ذکر ہے جو عام ہے زانی محصن (شادی شدہ) ہو یا غیر محصن (غیر شادی شدہ) لیکن حدیث کی رو سے امام ابوحنیفہ نے یہ اضافہ کیا کہ شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہوگی۔ (۱۳)

حدیث سے استنباط کا طریق

حدیث یا سنت سے استنباط احکام کے امام ابوحنیفہ کے وہی اصول ہیں جو کتاب اللہ میں استنباط احکام کی بنیاد و اساس ہیں یعنی احکام کی نوعیت کبھی خاص ہے کبھی عام کبھی مطلق ہے اور کبھی مقید، کبھی مشترک ہے اور کبھی مؤول، البتہ حدیث کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ نے کچھ ایسے معیارات بنائے ہیں جو ان کو محدثین کے معیارات نقد اور دیگر فقہاء کے معیارات نقد سے بھی نمایاں اور ممتاز کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے معیارات نقد پر غور کریں اور دوسری جانب ان کے اصول اجتہاد میں حدیث وسنت کی عظمت و حجیت کو دیکھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک طرف ابوحنیفہ قبول حدیث کے معاملہ میں اپنے معیار کو پست نہیں ہونے دیتے اور دوسری طرف حدیث کو چھوڑ کر اور حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل کرنا بھی گوارا نہیں کرتے حتیٰ کہ ضعیف حدیث، مرسل روایت یا آثار صحابہ بھی ان کے نزدیک قیاس سے راجح ہیں۔ (۱۴)

• احکام حلال وحرام میں نقد حدیث

امام ابوحنیفہ کسی حدیث پر جرح وتعدیل اور اس کی قبولیت کے لئے کوئی میزان و معیار قائم کرنے سے قبل اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس سے مستنبط ہونے والے احکام کی نوعیت کیا ہے، اگر مستنبط ہونے والا حکم احکام حلال وحرام سے تعلق رکھتا ہے یا کسی چیز کو فرض یا واجب قرار دیتا ہے تو معیار و میزان ذرا سخت رکھا جاتا ہے اور اگر سے مستنبط ہونے والا مسئلہ فضائل ومحاسن یا سنن ومستحباب سے تعلق رکھتا ہے تو معیار و میزان میں قدرے نرمی کردی جاتی ہے۔

اس ضمن میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اصولیین کے نزدیک خواہ حدیث کے اصولیین ہوں یا فقہ کے، بنیادی اور اساسی طور پر حدیث کی تین قسمیں ہیں:

(۱) متواتر　　　(۲) مشہور　　　(۳) اخبار احاد

حدیث کی ان اقسام کی تعریف اور ان کی ذیلی اقسام کی بحث سے احتراز کرتے ہوئے یہ بات دوسرے مرحلہ پر سمجھنا ضروری ہے کہ اصولیین کے نزدیک حدیث متواتر سے علم یقینی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جبکہ خبر مشہور کے متعلق بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مشہور خبر بھی اخبار احاد کی طرح مفید ظن ہوتی ہیں جبکہ فقہ حنفی میں بھی اس

میں علماء کی دو آراء پائی جاتی ہیں۔

الف) مشہور احادیث بھی متواتر کی طرح ہیں، ان سے علم یقینی حاصل ہوتا لیکن یہ علم بطریق استدلال ہوتا ہے مشاہدہ کی طرح کا نہیں ہوتا۔

ب) مشہور احادیث باعث اطمینان نہیں گویا ان سے حاصل ہونے والا علم نہ اخبار احاد کی طرح ظن ہے اور نہ متواتر سے حاصل ہونے والے علم کی طرح قطعی اور یقینی۔

اس سے نتیجہ نکلا کہ دراصل علم یقینی کے حنفی فقہاء کے ہاں تین مراتب ہیں۔

۱) وہ علم یقینی جو قران کریم کی کسی آیت سے ہوتا ہے اعلیٰ درجہ کا علم یقینی ہے۔

۲) وہ علم یقینی جو خبر متواتر سے حاصل ہوتا ہے یہ علم بھی اگرچہ یقینی ہوتا ہے لیکن اُس درجہ کا نہیں جس درجہ کا علم یقینی قرآن کریم سے حاصل ہوتا ہے۔

۳) وہ علم یقینی جو خبر مشہور سے حاصل ہوتا ہے یہ ظن سے کچھ بڑھ کر اطمینان کی کیفیت پیدا کرتا ہے، یہ وجہ ہے حنفی اصول میں مشہور حدیث کی بناء پر زیادۃ علیٰ کتاب اللہ جائز ہے لیکن اخبار احاد سے زیادۃ علیٰ کتاب اللہ یا کتاب اللہ کے مطلق حکم مقید نہیں کیا جا سکتا۔

یہی اصول تکالیف احکام میں بھی کارفرما نظر آتا ہے کہ احکام میں وجوب یا نواہی میں تحریم علم یقینی کے ذریعہ سے تو ہو سکتا ہے، علم ظنی کے ذریعہ سے نہیں، البتہ محاسن وفضائل اور سنن ومستحباب میں چونکہ تکلیف شرعی کم درجہ کی ہے اس لئے وہ روایات جو علم ظنی پیدا کرتی ہیں، یعنی اخبار احاد کو بھی معتبر اور دلیل تسلیم کیا جاتا ہے۔

اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم حنفی اصول الحدیث پر بحث کرتے ہیں اور ضمنا دیگر فقہاء کے اصول حدیث سے ان کا موازنہ کر کے یہ بات جاننے کی کوشش کریں کہ حنفی اصول الحدیث کے امتیازات کیا ہیں۔

حنفی اصول الحدیث

امام ابوحنیفہ کے قبول ورد حدیث میں کچھ اصول ہیں اور ان اصولوں کو محدثین کے ہاں معتبر سمجھا جاتا ہے اور رواۃ کے بارہ میں امام ابوحنیفہ کی رائے کو احترام سے دیکھا اور قبول کیا جاتا ہے اس لئے چند شہادتیں پیش ہیں۔

امام ترمذیؒ نے العلل الصغیر میں یحییٰ بن الحمانی کے حوالہ سے جابر الجعفی کے متعلق کے ابوحنیفہ کا قول نقل کیا ہے (۱۵) اسی طرح حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں زید بن عیاش کے بارے میں ابوحنیفہ کی

رائے نقل کی (۱۶) بیہقی نے المدخل میں ثوری کے متعلق ابوحنیفہ کا قول نقل کیا ہے اس طرح کی بہت سی شہادتیں اسماء الرجال کی کتب سے جمع کی جاسکتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ ائمہ اسماء الرجال کے نزدیک محدثین اور راویان حدیث کے متعلق ابوحنیفہ کی رائے کو وقعت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔(۱۷)

(۱) علامہ خضری بک کے مطابق فقہاء اصولیین جن میں احناف فقہاء بھی شامل ہیں کے نزدیک متواتر کی تین شرائط ہیں۔

الف) روات کی تعداد ہر طبقہ میں اس قدر ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا ناممکن نظر آئے۔

ب) جو بات نقل کی جارہی ہے وہ عقل کے خلاف نہ ہو۔

ج) لوگ ذاتی مشاہدہ یا ذاتی سماع کی خبر دیں۔(۱۸)

ان میں سے پہلی اور تیسری شرط اصولیین حدیث نے بھی بیان کی ہے جبکہ خلاف عقل نہ ہونے کی شرط کا اضافہ اصولیین فقہاء نے کیا ہے۔

(۲) طرق تحمل حدیث وصیغ اداء میں اصول:

صدر اول کے محدثین جن میں زہری، امام مالک، ابن عیینہ، یحیی بن سعید القطان اور حجاز وکوفہ کے دیگر محدثین شامل ہیں کے نزدیک لفظ اخبرنا، سمعت عن، انبانا یا حدثنا سے روایت نقل کرنے میں کسی فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا امام ابوحنیفہ بھی اسی کے قائل ہیں اسی طرح ایک مجموعہ حدیث استاد شاگرد کے سامنے تلاوت کر کے اجازت دے یا شاگرد استاد کے سامنے تلاوت کر کے اجازت حاصل کرے اس ضمن میں امام مالک، حجاز وکوفہ کے اکثر محدثین وفقہاء کے نزدیک دونوں شکلیں برابر ہیں البتہ امام ابوحنیفہ اور ابن ابی ذئب شاگرد کی استاد کے سامنے قرأت کو ترجیح دیتے ہیں کہ سماع میں غلطی کا امکان قوی اور غلطی کی اصلاح کا امکان ضعیف ہوتا ہے جبکہ شیخ کے سامنے تلاوت کی صورت میں غلطی کا امکان کم اور غلطی ہو جانے کی صورت میں فوری اصلاح ہو جاتی، (۱۹) تدریب الراوی اور المدخل میں علامہ سیوطی نے مکی بن ابراہیم کے حوالہ سے ابن جریج عثمان بن الاسود، حنظلہ بن ابی سفیان، سفیان ثوری ہشام اور ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قرأتک علی العالم خیر من قرأۃ العالم علیک(۲۰)

طرق تحمل میں محدثین کے ہاں مناولہ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے جس کے معنی ہیں کہ کوئی شیخ حدیث کا

کوئی تحریری مجموعہ اپنے تلمیذ کو ان روایات کے نقل کرنے کی اجازت کے ساتھ دے دے اس صورت میں تلمیذ کو ان روایات کے نقل کرنے کی باتفاق محدثین اجازت ہوتی ہے البتہ اس میں محدثین وفقہاء کا اختلاف ہے کہ مناولہ سے نقل کردہ احادیث کا درجہ استاد سے سنی ہوئی حدیث کے برابر یا کم۔ اس ضمن میں زہری، شعبی، ابراہیم نخعی، علقمہ اور امام مالک کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے جبکہ سفیان ثوری، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک استاد سے سنی ہوئی یا استاد کے سامنے تلاوت کی ہوئی حدیث کا درجہ مناولہ کی حدیث سے اعلیٰ تر ہے۔ (۲۱)

امام طحاویؒ نے سلمان بن ابوشعیب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمیں امام ابویوسف نے یہ املا کرایا کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا:

"لا ینبغی للرجل ان یحدث من الحدیث الالجاحفظه من یوم سمعه الی یوم یحدث به" (۲۲)

(کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ حدیث نقل کرے سوائے اس کے کہ وہ اس روز سے جس روز اس نے اپنے شیخ سے سنی تھی اس روز تک جس دن وہ یہ روایت نقل کر رہا ہے پورے عرصہ اس کے حافظہ میں رہے)

یعنی کوئی محدث جب کسی محدث سے کوئی حدیث سنے تو اسے اپنے تلامذہ تک نقل کرنے کے دن تک مسلسل یاد رکھنا ہوگی درمیان میں کوئی ایسا زمانہ جس میں اسے یہ حدیث یاد نہ رہی ہو نہ گزرنا چاہئے۔

(۳) حدیث تقریری:

عام طور پر محدثین اور فقہاء کے نزدیک کسی صحابی کا یہ کہنا کہ ہم یوں کیا کرتے تھے یا ہمیں فلاں حکم دیا گیا یا فلاں چیز سے منع کیا گیا جبکہ اس بیان میں حضور اکرم ﷺ کے زمانہ یا نبی کریم ﷺ کے حکم دینے یا منع کرنے کی صراحت نہ ہو اس کو حدیث مرفوع تقریری میں شمار کیا گیا ہے علامہ آمدی کے مطابق کرخی اور دوسرے حنفی اصولیین کے نزدیک اس میں دیگر احتمالات بھی موجود ہیں۔ (۲۳)

(۴) خبر واحد کی حجیت کا اصول:

محدثین کے اصول کے مطابق اخبار احاد میں خبر صحیح کے لیے حسب ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔اتصال سند ۲۔عدالت راوی ۳۔ضبط راوی ۴۔علت نہ ہو ۵۔روایت شاذ نہ ہو۔ (۲۴)

محدثین نے صحیح روایت کے لیے پانچ شرائط کو ضروری قرار دیا ہے امام ابوحنیفہ نے ان میں اضافہ بھی کیا اور ضبط راوی کے سلسلہ میں ان کا مؤقف محدثین کی نسبت سخت ہے محدثین کے نزدیک ضبط کے لیے ضروری ہے کہ راوی پورے ضبط وحفظ اور مکمل اعتماد کے ساتھ روایت نقل کرے خواہ یہ ضبط اسے اپنے حافظہ کی بنیاد پر حاصل ہو یا کسی نوشتہ کی وجہ سے جبکہ امام ابوحنیفہ تحریری مجموعہ کے مقابلہ میں راوی کے ضبط صدر کو اہمیت دیتے اور اسے ضبط راوی شمار کرتے ہیں۔ اس ضمن میں امام ابوحنیفہ کا ایک تحریری وثائق کی تفصیلات میں گزر چکا ہے کہ کسی محدث کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ روایت کو سوائے کہ اسے وہ روایت جس دن سے اس نے سنی ہے نقل کرنے تک مسلسل زبانی یاد ہو خود امام ابوحنیفہ کا عمل بھی اسی اصول پر تھا خطیب بغدادی، یحییٰ بن معین کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ صرف وہ حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کے وہ حافظ ہیں جن کے وہ حافظ نہیں ہیں وہ بیان نہیں کرتے۔'' (۲۵)

امام ابوحنیفہ کے اس مؤقف کا امام نووی نے تقریب (۲۶) میں حافظ سیوطی نے تدریب (۲۷) اور ابن الصلاح نے مقدمہ ابن الصلاح میں تسلیم کیا ہے اور یہ تبصرہ کیا ہے کہ یہ سختی کا مسلک ہے اور اس معیار پر اگر رواۃ کو پرکھا جائے تو صحیحین کے بھی نصف سے زائد راوی جن کی روایات کو امام بخاری ومسلم نے اپنی صحیحین میں نقل کیا ہے، اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

''ابوزکریا یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے قلم سے لکھی ہوئی حدیث پائے مگر وہ اسے زبانی یاد نہ ہو تو کیا کرے، کہنے لگے کہ ابوحنیفہ تو یہ کہتے ہیں کہ جس حدیث کا انسان حافظ نہ ہو اسے بیان نہ کرے لیکن ہم یوں کہتے ہیں کہ اپنی کتاب میں جو کچھ قلم سے لکھا ہوا پائے اسے بیان کردے چاہے وہ اس روایت کا حافظ ہو یا نہ ہو۔'' (۲۸)

ابومحمد عبداللہ حارثی امام وکیع کا قول نقل کرتے ہیں۔

نقد وجد الورع عن ابی حنیفة فی الحدیث مالم یوجد فی غیرہ (۲۹)

(جیسی احتیاط حدیث میں امام ابوحنیفہ نے کی ہے ہم نے کسی دوسرے کو ایسی احتیاط کرتے نہیں دیکھا)

راوی کے ضبط کے مفہوم ومصداق میں محدثین کی نسبت شدت کے علاوہ امام ابوحنیفہ نے عدالت راوی

کے سلسلہ میں بھی کچھ شرائط کا اضافہ کیا ہے، محدثین کے نزدیک عدالت راوی سے مراد اس کا اسلام، بلوغ اور عقل کی صفات سے متصف ہونا ہے اس سلسلہ میں محدثین کا ہمیشہ اتفاق رہا کہ کا فر فاسق کی روایت قابل قبول نہیں ہے البتہ اس میں اختلاف ہے جو لوگ مسلمان ہوتے ہوئے اپنے ایسے مخصوص نظریات کے حامل ہوں جو امت کے عمومی مزاج اور سلف کے نظریات سے ہٹ کر لیں مثلاً خوارج، معتزلہ اور مرجئہ وغیرہ کیا ان لوگوں کے مخصوص نظریات کے باوجود ان کی روایات کو ایک عادل شخص کو روایات قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

اس ضمن میں علماء محدثین وفقہاء کے مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل موجب طوالت ہوگی۔ اس طوالت سے گریز کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ کی رائے ذکر کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ ابوعصمہ نے ان سے دریافت کیا کہا اھل ہواء سے روایت لینے کے بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں آپ نے جواباً فرمایا سب سے روایت لے لیا کرو سوائے ان لوگوں کے جن کے عقیدہ کی عمارت نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی تضلیل (گمراہ قرار دینے) پر ہے۔ (۳۰)

گویا وہ طبقہ جن کے عقائد ونظریات کی بنیاد واساس صحابہ کرام کو گناہ گار قرار دینا ہے اس طبقہ سے روایت لینے کو امام ابوحنیفہ نے بڑی وضاحت وصراحت اور بے لاگ انداز میں منع فرمادیا، تحقیق کی دنیا میں اس طرح کا بے لاگ فیصلہ امام ابوحنیفہ جیسی شخصیت ہی کرسکتی ہے۔ ضبط راوی کے سلسلے میں اس مؤقف کے علاوہ امام ابوحنیفہ نے خبر واحد کی شرائط میں ایک شرط کا اضافہ کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ قبول روایت کے لئے پانچ شرائط کے بعد اس شرط کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ اگر روایت کا تعلق مسلمانوں کو عملی زندگی سے ہو تو ضروری ہے کہ اس کا نقل کرنے والا ایک نہ ہو بلکہ صحابی سے اس کو نقل کرنے والی ایک جماعت ہو اور جماعت بھی نیک اور پارسا لوگوں کی ہو، عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں۔

قد کان الامام ابو حنیفه یشترط فی الحدیث المنقول عن رسول الله ﷺ الصحاب جمیع اتقیاء عن مثلهم وهکذا (۳۱)

(جو حدیث جناب رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو اس کی بابت امام ابوحنیفہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس روایت کو متقی لوگوں کی ایک جماعت اس صحابی سے برابر نقل کرتی آئے)

خود امام ابوحنیفہ اس سلسلہ میں وضاحت کرتے ہیں کہ:

''میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ اوران حدیثوں سے، جو ثقات کے ہاتھوں کے ذریعہ شائع ہوئی ہیں پھر اگر یہاں بھی نہ ملے تو آپ کے اصحاب سے جن کا قول چاہتا ہوں اختیار کر لیتا ہوں لیکن جب بات ابراہیم، شعبی، حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح پر آ پڑتی ہے تو جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔'' (۳۲)

اخبار احاد میں تضاد کی صورت میں اصول

یہاں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ اگر دو اخبار باہم متعارض محسوس ہوں تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہ کا مؤقف اوران کے اصول کیا ہیں بنیادی طور پر حدیث کے باب میں امام ابوحنیفہ کا مؤقف یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو احادیث کے درمیان تطبیق پیدا کی جائے مثلاً نماز میں بھول جانے کے متعلق تین روایات ہیں کہ نماز منقطع کر دے، تعداد رکعات میں غلبہ ظن پر عمل کرے اور کم تعداد پر عمل کرے امام ابوحنیفہ کا ان روایات کے متعلق مؤقف یہ ہے کہ یہ سب قابل عمل ہیں وہ اس طرح کہ یہ تینوں روایات مختلف اشخاص کے لئے ہیں نماز توڑنے کا حکم اس شخص کے لیے ہے جسے نماز میں اس قسم کا سہو بہت کم پیش آتا ہے غلبہ ظن پر عمل کا حکم اس شخص کے لئے ہے جو تھوڑی بہت سوچ کے بعد ایک گمانِ غالب حاصل کر سکتا ہو اور جو گمان غالب بھی نہ حاصل کر سکے وہ کم تعداد پر عمل کرے لیکن بعض اوقات روایات میں اس طرح کا فرق ہوتا ہے کہ بیک وقت دونوں پر عمل کرنا ممکن نہیں ہوتا ایسی صورت میں امام ابوحنیفہ کا مؤقف یہ ہے کہ اگر ایک روایت کے راوی فقیہ اور دوسری روایت کے راوی غیر فقیہ ہوں تو فقیہ راوی کی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی۔ مثلاً امام ابوحنیفہ نے زہری عن سالم عن عبداللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ کی سند سے منقول روایت کے مقابلہ میں جس میں رکوع میں جاتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں کیونکہ حماد زہری سے بڑے فقیہ تھے ابراہیم سالم سے بڑھ کر عالم فقہ تھے علقمہ کا مقام کسی طرح بھی ابن عمر سے کم نہیں اور عبداللہ بن مسعود کی جلالت شان اوران کے تفقہ کا تو ان راویوں میں سے کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ (۳۳)

اس ضمن میں امام ابوحنیفہ کا اصول یہ بھی ہے کہ اگر ایک مسئلہ میں دو اخبار احاد میں سے ایک کسی چیز کو مباح قرار دے رہی ہے اور دوسری اسی چیز کو حرام، تو امام اس روایت پر عمل کرتے ہیں جو اس چیز کو حرام قرار دے رہی ہے اسی طرح اگر ایک ہی واقعہ کے بارے میں راوی کسی امر زائد کی نفی کرے اور دوسرا اثبات تو اگر

نفی دلیل پر مبنی نہ ہو تو نفی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ (۳۴)

راوی کا عمل

خبر واحد میں امام ابوحنیفہ کا اصول یہ بھی ہے کہ اگر راوی حدیث کا اپنا عمل اس روایت کے خلاف ہو تو امام اس روایت کو قبول نہیں کرتے مثلاً ابو ہریرہ نے روایت نقل کی اگر کتا برتن میں منہ ڈالے تو سات مرتبہ دھو لیکن خود ابو ہریرہ کا عمل یہ تھا کہ وہ تین مرتبہ دھوتے تھے۔ (۳۵)

کتاب اللہ کے عموم کے مخالف روایت کی صورت میں اصول

اگر خبر واحد کتاب اللہ کے کسی عمومی حکم کو خاص یا مطلق کو مقید کر رہی ہو تو خبر واحد کو ترک کیا جائے گا اور کتاب اللہ کے عام یا مطلق حکم پر اس کے عموم و اطلاق کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔

سنت مشہورہ کے خلاف روایت کی صورت میں اصول

اگر خبر واحد سنت مشہورہ کے مخالف ہو خواہ سنت قولی کے خلاف ہو یا فعلی کے، اس خبر واحد کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ (۳۶)

(۵) روایت بالمعنی میں اصول:

کسی روایت کو بالمعنی نقل کرنے میں محدثین و فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ بعض فقہاء اس کو بالکل ناجائز قرار دیتے ہیں جبکہ جمہور محدثین و فقہاء نے اس اجازت دی ہے بشرطیکہ راوی کے الفاظ اور ان کے مقاصد سے اچھی طرح واقف ہو اور الفاظ کی تبدیلی سے معنی میں پیدا ہونے والی تبدیلی کا بھی بخوبی علم رکھتا ہو۔ (۳۷)

عام طور پر امام ابوحنیفہ کی طرف اسی رائے کو منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ درجہ بالا شرائط کے ہوتے ہوئے روایت بالمعنی کی اجازت دیتے ہیں لیکن ملا علی قاری نے ایک لطیف بات لکھی ہے۔ (۳۸)

ملا علی قاری نے امام طحاوی کی اس روایت کو جو امام ابو یوسف نے املا کرائی تھی جو گذشتہ اوراق میں گذر چکی ہے کہ کسی راوی کے لیے اس وقت تک حدیث نقل کرنا مناسب نہیں جب تک کہ وہ روایت سماع کے دن سے روایت کے دن تک برابر اسے حفظ نہ ہو، اس روایت کو بنیاد بنا کر ملا علی قاری کا موقف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ

روایت بالمعنی کو جائز نہیں سمجھتے تھے کہ روایت بالمعنی میں دوسرے الفاظ کا سہارا راوی اسی وجہ سے لیتا ہے کہ اصل الفاظ حدیث اس کے حافظہ میں محفوظ نہیں رہے البتہ مفہوم اس کے ذہن میں ہے چنانچہ اس مفہوم کو اس نے اپنے الفاظ میں ادا کر دیا جبکہ امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ ایسے آدمی کے لیے روایت نقل کرنا نامناسب ہے جب الفاظ حدیث حفظ نہ ہوں۔ (۳۹)

ملاعلی قاری کی اس بات کی تائید امام نووی کی اس بات سے بھی ہوتی ہے۔

"اذا وجد سماعه فی کتابه ولا یذکروه فعن ابی حنیفه و بعض الشافعیه لایجوز روایته" (۴۰)

(اگر کسی شخص کی اپنی روایت کردہ حدیث تحریری شکل میں موجود ہو لیکن اسے یہ یاد نہ ہو کہ یہ حدیث اس نے روایت کی ہے کہ تو امام ابوحنیفہ اور بعض شافعی فقہاء اس کو روایت کی اجازت نہیں دیتے)

جب ایک شخص کے پاس تحریری شکل میں اپنی روایت موجود ہے لیکن اس روایت کا سماع اسے یاد نہیں تو امام ابوحنیفہ اس کو نقل روایت کی اجازت نہیں دیتے تو روایت بالمعنی کو اجازت کس طرح دے سکتے ہیں۔

غالباً امام ابوحنیفہ کے نزدیک روایت بالمعنی کی قبولیت کی شرائط بھی اسی قسم کی ہونگی جس قسم کی شرائط خبر واحد کی قبولیت کی ہم گذشتہ اوراق میں بیان کر آئے ہیں اس ضمن میں صاحب منار احمد نسفی کا قول بطور تائید پیش کیا جا سکتا ہے:

والرخصة ان ینقله بمعناه فان محکما لا یحتمل غیره یجوز نقله بالمعنی لمن له بصیرة فی وجوه اللغة وان کان ظاهر ایحتمل غیره فلا یجوز نقله بالمعنی الا للفقیه المجتهد وما کان من جوامع الکلم او المشکل او المشترک او المجمل لا یجوز نقله بالمعنی للکل

(روایت بالمعنی کی رخصت کے معنی یہ ہیں کہ اگر روایت محکم ہو اور اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو اور راوی کو لفظ کے تغیر پر پوری بصیرت حاصل ہو اور اگر روایت محکم نہ ہو بلکہ ظاہر ہو اور اس میں کوئی دوسرا احتمال بھی ہو تو صرف فقیہ مجتہد کو تو روایت بالمعنی کی رخصت ہے، دوسروں کو نہیں اور اگر روایت جوامع الکلم میں سے۔ مشکل، مشترک یا مجمل ہو تو کسی کے لئے بھی روایت بالمعنی جائز نہیں)

صاحب منار کی اس تصریح سے اصولی انداز میں روایت بالمعنی کے جواز اور عدم جواز دونوں کے متعلق علم ہو گیا کہ وہ کونسی صورتیں ہیں جن صورتوں میں روایت بالمعنی کی اجازت ہے یا وہ کون لوگ ہیں جو اس رخصت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور وہ کون سی صورتیں ہیں جبکہ روایت بالمعنی کی کسی کو بھی اجازت نہیں۔

حدیث مرسل کے بارے میں اصول

حدیث مرسل کی تعریف یوں کی گئی ہے

''کوئی تابعی چھوٹا بڑا اصحابی کا نام لئے بغیر نبی کریم ﷺ سے منسوب کوئی قول عمل یا تقریر کرے''۔(۴۱)

مثلاً امام مسلمؒ نے سعید بن المسیب کی جو کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں روایت نقل کی جس جس میں انہوں نے صحابی کا نام لئے بغیر نبی کریم ﷺ کا قول نقل کیا۔(۴۲)

یہ مرسل کا وہ مفہوم جو محدثین نے بیان کیا ہے جبکہ فقہاء اور اصولیین کے نزدیک مرسل کا مفہوم زیادہ عام ہے کہ سند میں کسی بھی مقام پر انقطاع روایت کو مرسل بنا دیتا ہے۔علماء محدثین اور فقہاء کے درمیان مرسل کی حجیت پر اختلاف ہے محدثین کی اکثریت اور کچھ فقہاء و اصولیین کے نزدیک مرسل اس بنا پر ضعیف و مردود ہے کہ جس راوی کا نام حذف کیا گیا ہے اس کا حال معلوم نہیں اور ایسی روایت جو کسی مجہول الحال راوی سے روایت کی گئی ہو ضعیف و مردود ہوتی ہے بقول علامہ نووی:

حدیث مرسل جمہور محدثین، بہت سے فقہاء اور اصحاب اصول کے نزدیک ضعیف ہے اس کی دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب مجہول الحال راوی کی روایت اس لئے تسلیم نہیں کی جاتی کہ اس کی صرف حالت معلوم نہیں (نام معلوم ہے) تو مرسل روایت کیسے قابل ہوئی جبکہ اس کے راوی کا حال معلوم ہے نہ نام۔(۴۳)

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے مشہور قول کے مطابق مرسل روایت صحیح اور حجت ہے بشرطیکہ راوی تابعی ثقہ ہو، غیر ثقہ تابعی کی مرسل روایت حجت نہیں ہے کیونکہ ثقہ راوی کسی غیر ثقہ واسطہ کے بغیر نبی کریم ﷺ سے کوئی بات منسوب نہیں کر سکتا۔امام ابوحنیفہ کے اصول سے یہ بات واضح ہوئی کہ مرسل صرف درجہ ذیل شرائط کے ساتھ قابل قبول ہے۔

۱) صرف وہ مرسل قابل قبول ہے جس میں کسی تابعی نے صحابی کا نام لئے بغیر نبی کریم ﷺ سے کوئی بات

نقل کی ہو کہ تابعین کے دور میں جھوٹ اتنا عام نہیں ہوا تھا اور پھر کسی ثقہ تابعی سے یہ بات ممکن نہ تھی کہ وہ نبی کریم ﷺ سے کوئی بات غیر ثقہ واسطہ سے منسوب کرے گا۔

۲) تابعین میں بھی ہر تابعی کی مرسل قابل نہیں بلکہ حنفی اصول الحدیث میں صرف ایسے ثقہ تابعین کی مرسل قابل قبول ہے جس کی ثقاہت وعدالت سے امام ابوحنیفہ اچھی طرح واقف تھے جن کے متعلق یقین کی حد تک انہیں معلوم تھا کہ وہ خلاف واقعہ بات نہیں کر سکتے۔

۳) کسی غیر تابعی کی مرسل قابل قبول نہیں ہوگی اگرچہ اکثر تذکرہ نگار امام ابوحنیفہ کی طرف تبع تابعین کی مرسل حجیت بھی منسوب کرتے ہیں لیکن تابعین میں صرف ثقہ کی مرسل قبول کرنے کی قید کے ساتھ یہ سمجھنا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ ارسال کی حجیت تبع تابعین تک پہنچی ہوگی۔

امام ابوحنیفہ کے جن اصول حدیث پر اب تک بحث ہو چکی ہے اور خصوصاً راوی کے ضبط پر جس طرح وہ زور دیتے ہیں اور خبر واحد کو جن شرائط کے ساتھ انہوں نے قبول کیا ہے راوی کے عدل وضبط کی وہ تمام شرائط اس تابعی کے ساتھ بھی موجود ہیں جو صحابی کا نام لئے بغیر روایت نقل کر رہا ہے جب ایک شخص کی عدالت اور اس کے حفظ کی اس معیار پر جانچ کی جا چکی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اب اس روایت کو قبول کرنے میں کسی تامل سے کام لیا جائے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ اگر مرسل روایت کو حجت تسلیم کرتے ہیں تو اس حجیت کو ان کی اُن شرائط سے علیحدہ کر کے نہ دیکھا جائے جو انہوں نے قبول روایت کے لئے عائد کی ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے اصولِ حدیث۔ مختصر تعارف

امام ابوحنیفہ کے اصول الحدیث کو دیگر فقہاء کے اصول الحدیث سے موازنہ کیا جائے تو بات زیادہ نکھر کر سامنے آتی ہے اور حنفی اصول الحدیث کے امتیازات معلوم ہوتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے خبر واحد کی قبولیت کی حسب ذیل چار شرائط عائد کی ہیں۔

الف) دینی اعتبار سے ثقہ گفتگو میں سچا معروف ہو۔

ب) حدیث کے الفاظ ومعانی کو سمجھتا ہو، مترادفات اور متقاربات سے معنی میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں سے واقف ہو۔

ج) روایت یاد ہو، صرف کتابت شدہ روایت نا قابل قبول ہے۔

د) اس موضوع پر دیگر اہل علم کی حدیث کے مخالف نہ ہو۔ (۴۴)

ان شرائط پر غور کریں تو امام شافعی صرف حفظ روایت کو کافی سمجھتے ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ کے ساتھ یہ قید بھی لگاتے ہیں کہ جس دن اس نے یہ روایت شیخ سے سنی ہے۔ اس روز سے روایت نقل کرنے تک برابر اسے یاد ہو خبر واحد کی قبولیت کے لیے امام ابوحنیفہ کی شرائط گذشتہ اوراق میں گذریں جبکہ امام مالکؒ خبر واحد کے ساتھ تعامل اہل مدینہ کی موافقت کی شرط کافی سمجھتے ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ نے خود راوی کے روایت کے مطابق عمل کی قید لگا کر روایت کی ثقاہت میں اضافہ کیا ہے کہ روایت نقل کرنے والا خود اگر اس کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے نزدیک روایت کی ثقاہت مشکوک ہے ورنہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا علم ہوا سے وہ اپنے تلامذہ کے سامنے نقل کر رہا ہو لیکن خود عمل نہ کر رہا ہو یہ محدث کی شان کے خلاف ہے۔

حنفی اصول الحدیث۔ امتیازات

حنفی اصول الحدیث پر اس بحث کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے امتیازات بھی معلوم کئے جائیں اور ان پر کئے جانے والے بعض تبصروں پر بھی نظر ڈالی جائے ابوالکلام آزاد حنفی اصول الحدیث کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین کو ان اختراعی اصول وقواعد کا وہم وخیال بھی نہ گذرا ہوگا'' (۴۵)

گویا آزاد یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بعد کے حنفی علماء نے جو اصول الحدیث وضع کر کے امام ابوحنیفہ سے منسوب کئے ہیں امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں کو ان اصولوں کا وہم وخیال بھی نہ گزرا ہوگا حدیث کی صحت کے لئے بخاری ومسلم کے نام سے جو شرائط، جو اصول وقواعد اور جو ضوابط متاخرین نے بیان کئے ہیں ان میں سے ماسوائے ایک دو کے بخاری ومسلم سے صراحۃً منقول نہیں ہیں بلکہ علماء اصولیین فی الحدیث نے اس بات کو واضح طور پر بیان کیا ہے کہ جو شرائط امام بخاری ومسلم کی بیان کی جاتی ہیں وہ خود انہوں نے کہیں نہیں بیان کیں (۴۶) ان حضرات محدثین کے طرز عمل اور ان کی منقولہ روایات کے معیار کو دیکھ کر اگر قواعد وضوابط تشکیل دیئے جا سکتے ہیں اور ان قواعد کو ان محدثین کی جناب منسوب کیا جا سکتا ہے تو پھر ائمہ مجتہدین کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے، قبول حدیث کے لئے ان کے طریقہ کو دیکھتے ہوئے، کچھ قواعد وضوابط کیوں نہیں تشکیل دیئے جا سکتے اور ان ائمہ سے انہیں کیوں نہیں منسوب کیا جا سکتا ان اصولوں کے جو امتیازات سامنے آتے ہیں ان کو

حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱) حنفی اصولوں کے مطابق دین متین کا اولین ماخذ قرآن کریم اور اس کے بعد دوسرا ماخذ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ یہ اصول ہر مقام اور ہر مرحلہ پر مدنظر رکھا جائے گا کہ قرآن کریم کا درجہ سنت سے فائق اور بلند تر ہے۔ چنانچہ حنفی اصول الحدیث میں کوئی ایسا اصول نظر نہیں آئے گا جس میں حدیث نبوی یا سنت رسول قرآن کریم سے فائق نظر آئے۔

۲) سنت نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی، عمل یا تقریر کا نام ہے آپؐ سے جو بھی چیز منسوب کی جارہی ہے وہ پوری حزم احتیاط سے اخذ کی جائے کہ اس بات کا امکان باقی نہ رہے کہ کوئی غلط بات یا ایسی بات کہ جس کی حفاظت پر اعتماد نہیں کیا جا سکا نبی کریمؐ سے منسوب کر دی جائے۔

۳) خبر احاد اور مرسل روایات کو قبول کرتے وقت آپ دین کے مجموعی مزاج کو مدنظر رکھتے تھے اور جو روایت بھی اس مجموعی مزاج سے ہم آہنگ نظر نہ آتی اسے ترک کر دیتے۔

۴) آپ نے کسی بھی مرحلہ اور موقع پر قیاس کو سنت تو درکنار فتاوٰی صحابہ پر بھی ترجیح نہیں دی۔

۵) حنفی اصول الحدیث میں اس بات کو مدنظر رکھا گیا کہ خبر واحد کے ذریعہ قرآن کے کسی عام حکم کو خاص اور مطلق کو مقید نہیں کیا جا سکتا۔

۶) حنفی اصول الحدیث کا امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ نے ایک ہی حدیث سے ملنے والے دو احکام کے الفاظ کے فرق کو مدنظر رکھا ہے۔ مثلاً فجر کا وقت شروع ہوتے ہی نوافل کی ادائیگی ناجائز ہو جاتی ہے جبکہ عصر کے وقت نوافل کی ادائیگی اس وقت تک ناجائز نہیں ہوتی جب تک نماز عصر ادا نہ کر لی جائے۔ عصر و فجر کے اوقات میں یہ فرق الفاظِ حدیث کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے رکھا گیا ہے۔

۷) حنفی اصول الحدیث کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ ان اصولوں پر رواۃ کے تحریری وثائق کی بجائے حافظہ پر اعتماد زیادہ کیا جائے گا حتیٰ کہ تحریری وثیقہ موجود نہ ہونے کے باوجود بھی حدیث کا زبانی یاد ہونا ضروری ہے۔

۸) اگر کوئی صحابی یوں کہے کہ ہمیں فلاں بات کا حکم دیا گیا، اکثر محدثین وفقہاء کے نزدیک یہ روایت مرفوع ہوگی جبکہ حنفی فقہاء کے نزدیک اس میں دیگر احتمالات بھی موجود ہیں۔

۹) حنفی اصول الحدیث میں عدالت راوی کا بھی ایسا مفہوم متعین کیا گیا کہ جس سے نہ صرف یہ کہ کافریا

فاسق راوی عدالت سے خارج ہو گئے بلکہ امت مسلمہ کے مسلمہ عقائد و نظریات کے خلاف نظریات رکھنے والے خصوصاً وہ لوگ جو کسی بھی درجہ صحابہ کرامؓ کی تضلیل کے قائل ہیں بھی نکل گئے۔

۱۰) حنفی اصول الحدیث پر غور کیا جائے تو ایک امتیاز یہ بھی سامنے آتا ہے کہ ایسے اصول مرتب کئے گئے کہ جن کی مدد سے حدیث کی صحت بھی ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہو نیز یہ کہ زیادہ سے زیادہ ذخیرہ حدیث سے استفادہ بھی کیا جا سکے ایسا نہ ہو کہ قبولیت حدیث کے لیے ایسی شرائط عائد کر دی جائیں کہ جس سے وسیع ذخیرۂ حدیث معیار صحت سے نکل کر استفادہ سے خارج ہو جائے۔

فتلک عشرة کاملة

یہ حنفی اصول الحدیث کے چند امتیازات ہیں اللہ تعالیٰ ان فقہاء و محدثین کے علوم سے مستفید ہونے اور دین متین پر اخلاص نیت کے ساتھ عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

حوالہ جات

(۱) النساء۴:۸۰

(۲) ابن سعد محمد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار اصادر، ۱۹۵۷، ج ۳؛ ص ۳۷۲

(۳) تفصیلات کے لیے دیکھئے۔

الف: سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی، بیروت، دار احیاء السنة النبویة، ۱۹۷۹، ج ۱؛ ص ۵ تا ۱۰

ب: حاکم، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ، معرفة علوم الحدیث، بیروت، دار الآفاق، ۱۹۸۰، ترتیب و تدوین، معظم حسین سید

ج: خطیب محمد عجاج، السنة قبل التدوین، بیروت، دار الفکر، ۱۹۸۱ء؛ ص ۲۶۹

(۴) مکی، موفق بن احمد، مناقب امام اعظمؒ، حیدر آباد دکن، دائرہ معارف، ۱۳۲۱ھ، ج ۲؛ ص ۲۰۶

(۵) ابن عبدالبر اندلسی، جامع بیان العلم وفضلہ، المدینة المنورہ، المکتبة العلمیہ،

(۶) ذہبی محمد بن عثمان، تذکرہ الحفاظ، حیدر آباد دکن، ۱۹۵۵ء؛ ج ۱؛ ص ۷۵

(۷) حوالہ بالا

(۸) تلقیح فهوم اهل الاثر، ص ۲۳۶

(۹)خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، قاهرہ، مطبع السعادۃ، ج ۱۳؛ ص ۳۳۳

(۱۰) ذھبی تذکرۃ (ترجمہ حافظ شیبانی)

(۱۱) ابن عبدالبر اندلسی، الانتقاء ص۱۴۳

(۱۲) شعرانی، عبدالوھاب، المیزان الکبری. مصر، ۱۲۷۹ھ

(۱۳)ابوزہرۃ،محمد،حیات ابی حنیفہ

(۱۴) ایضا

(۱۵) ترمذی العلل الصغیر، ج ۱۳؛ ص ۳۰۹

(۱۶) ابن حجر عسقلانی، تھذیب التھذیب، حیدر آباد دکن، دائرہ معارف، ج ۳؛ ص ۴۲۴

(۱۷) مولانا ظفر احمد عثمانی نے مقدمہ اعلاء السنن (قواعد علوم الحدیث) (طبع، ادارۃ القرآن کراچی) میں ان تمام شہادتوں کو جمع کیا ہے۔

(۱۸) خضری بک،محمد،اصول حدیث،ص۲۱۶

(۱۹) اشفاق الرحمن کاندھلوی،مولانا،الطیب الشذی فی شرح الترمذی،میرٹھ،مطبع خیر،1324ھ:ص۶

(۲۰) سیوطی، تدریب، ج ۱؛ ص ۲۴۴

(۲۱) خطیب بغدادی، الکفایۃ فی علم الراویۃ، حیدار آباد دکن،
دائرہ معارف ۱۳۱۷ھ، ص ۲۷۰، ۲۷۱

(۲۲) عثمانی، ظفر احمد مولانا، انجاء الوطن عن الازدراء بامام الزمن، کراچی ۱۳۸۷ھ ص ۳۲. عبدالقادر بن محمد، الجواھر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ، حیدرآباد دکن، دائرہ معارف ۱۳۲۲؛صدیقی، محمد علی مولانا، امام اعظم اورعلم حدیث، سیالکوٹ، دارالعلوم الشھابیۃ، ۱۳۸۶ھ، ص ۵۱

(۲۳)آمدی، ابو الحسن سیف الدین علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، قاھرہ، مطبعۃ المعارف،۱۹۱۴ء. ج ۲؛ ص ۸۷؛ غزالی، محمد بن محمد. ، المستصفی من علم الاصول قاھرہ، مطبعۃ مصطفیٰ محمد،۱۹۳۷ء، ج ۱؛ ص ۱۳۱

(۲۴) الطحان، محمود' الدکتور، تیسیسر مصطلح الحدیث،

(۲۵) خطیب، تاریخ بغداد، ج ۱۳؛ ص ۴۱۹

(۲۶) نووی، تقریب النووی، ص ۳۰۷

(۲۷) سیوطی، تدریب، ج ۱؛ ص ۳۰۶

(۲۸) ابن الصلاح، ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمن الشهزوری، علوم الحدیث (مقدمه ابن الصلاح) و مشق، دارالفکر ۱۹۸۴ء تدوین و تعلیق، عتر نور الدی اور الدکتور، ص ۸۳

(۲۹) خطیب، الکفایة، ص ۱۳۶

(۳۰) مقفق، مناقب، ج ۱؛ ص ۱۹۷

(۳۱) شعرانی، المیزان الکبری، ج ۱ ص ۶۲

(۳۲) خطیب کتاب مذکور، ص ۱۳۲

(۳۳) ذہبی، محمد بن احمد ابو عبدالله، مناقب ابی حنیفة، قاھرہ،
دارالکتاب العربی. ج ۱؛ ص ۶۲

(۳۴) شاہ ولی الله، حجة الله البالغة؛ ج ۱؛ ص ۱۳۱

(۳۵) حسامی

(۳۶) نبراس الساری

(۳۷) کوثری، محمد بن زاهد بن الحسن، تانیب الخطیب، کوئٹه، مکتبه اسلامیه ص ۲۲۳

(۳۸) حواله بالا

(۳۹) ملا علی قاری، شرح مسند امام ابو حنیفه

(۴۰) نوادی، تقریب. ص ۳۱۰

(۴۱) الطحان، تیسیر ممطلع الحدیث

(۴۲) مسلم، الجامع الصحیح، ج ۵؛ ص ۱۳، کتاب البیوع

(۴۳) نووی، شرح مسلم

(۴۴) وھبہ الزحیلی، اصول الفقہ الاسلامی

(۴۵) آزاد، ابو الکلام مولانا، تذکرۃ، ص ۱۰۰

(۴۶) مقدسی، محمد بن طاہر ابو الفضل، شروط الائمۃ الستۃ، قاہرہ، مکتبۃ عاطف،

ماخذ ومصادر

القرآن الکریم

ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، قاہرہ، ۱۳۴۵ھ

شاطبؔی ، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات، بیروت، دائرہ معارف

شافعی، محمد بن ادریس، الرسالہ، مصر، مصطفیٰ البالی، ۱۳۵۸ھ، تحقیق و شرح، احمد محمد شاکر.

****